مولانا ارشاد الحق ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد

فقہائے محدثین اور تفقہ فی الدین

لغت میں فقہ کے معنی علم وفہم اور دانش کے حاصل ہونے اور علمِ حاضر سے علمِ غائب تک پہنچنے کے ہیں۔ اور اقوال سلف میں اس کا استعمال مختلف مفہوم ومعانی میں ہوا ہے۔ مثلاً امام قتادہؒ فرماتے ہیں۔ من لم یعلم الاختلاف لم یشم الفقہ بانفہ (جامع بیان العلم ص۲۶ ج۲) یعنی "جو اختلاف کو نہیں جانتا اس نے گویا فقہ کو سونگھا ہی نہیں۔ اور "اختلاف" سے مراد صحابہ کرام رضؓ کا اختلاف ہے جیسا کہ امام مالکؒ نے تصریح کی ہے (ایضاً ص۴۷ ج۲) حارث بن یعقوبؒ فرماتے ہیں، فقیہ وہ ہے جو قرآن کو سمجھتا اور شیطان کی مکاریوں سے باخبر ہو (ایضاً ص۴۷ ج۲) علامہ علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ فقہ کا اطلاق صرف اصطلاحی فقہ۔ جو کہ احکام شرعیہ علمیہ سے مختص ہے۔ پر ہی نہیں ہوتا بلکہ امام دارمیؒ نے امام حسنؓ سے نقل کیا ہے کہ:۔ انما الفقیہ فی الدنیا الراغب فی الاخرۃ البصیرۃ بامر دینہ المداوم عبادۃ ربہ۔ (مرقاۃ ص۲۶۷ ج۱) فقیہ وہ ہے جو زاہد ہو جسے آخرت کا فکر دامنگیر ہو دینی احکام سے واقف ہو اور عبادت گزار ہو۔

امام غزالی لکھتے ہیں:۔

لقد کان اسم الفقہ فی العصر الاول عن علم طریق الاخرۃ ومعرفۃ دقائق آفات النفوس ومفسدات الاعمال وقوۃ الاحاطۃ بحقارۃ الدنیا وشدۃ التطلع الی نعیم الاخرۃ واستیلاء الخوف علی القلب ویدلک علیہ قولہ عز وجل لیتفقھوا فی الدین لینذروا قومھم اذا

اذا رجعوا الیھم و ما یحصل بہ الانذار و التخویف ھو ھذا
الفقہ دون تفریعات الطلاق و العتاق و اللعان و السلم و الاجارۃ
فذلک لا یحصل بہ انذار ولا تخویف بل التجرد لہ علی الدوام
یقسی القلب و ینزع الخشیۃ منہ الخ۔ (احیاء العلوم ص۳۸ ج ۱)

یعنی قرون اولی میں فقہ کا اطلاق علوم آخرت کی معرفت اور امراض نفس اور اعمال فاسدہ کی پہچان اور دنیا کو حقیر جاننے اور آخرت کے انعامات کو پانے پر بولا جاتا تھا۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان۔ یتفقھوا۔ تاکہ وہ دین کو سمجھیں اور جب ان کی قوم ان کے پاس آئے تو وہ انہیں ڈرائیں۔ شاہد ہے دین کے فہم سے جو انذار اور خوف پیدا ہوتا ہے اسے لفظ فقہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ تخویف و انذار مسائل طلاق و عتاق اور لعان اور بیع سلم و اجارہ سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ صرف انہی مسائل میں مشغولیت سے دل اور سخت ہو جاتا ہے اور اس سے خشیت الٰہی نکل جاتی ہے۔

اس مختصر تفصیل کے بعد یہ سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی کہ سلف کے نزدیک فقہ کا استعمال کن مفہوم و معانی پر ہوتا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر رحمہ نے جامع بیان العلم میں فقہ کے مفہوم کا تذکرہ بڑے بسط سے کیا ہے۔ شائقین حضرات کو اس کی مراجعت کرنی چاہیے۔ فقہ کے اصطلاحی معنی کا اطلاق قوت استنباط اور استخراج مسائل پر ہوتا ہے۔ اور اسی اجتہاد و استنباط کی تعریف و توصیف نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات میں ملتی ہے جنھیں خطیب بغدادی کی الفقیہ والمتفقہ اور علامہ ابن عبدالبر کی جامع بیان العلم میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مگر کچھ حضرات تفقہ فی الدین سے مراد مروجہ فقہی جزئیات اور دفاتر فقہ میں بصیرت و رسوخ حاصل کرنا سمجھتے ہیں اور "فقاہت" کے تمام حقوق انہی کتب "فقہ" کو پڑھنے پڑھانے والوں کے نام الاٹ کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآن و سنت میں جس تفقہ کی تعریف کی گئی ہے اس وقت ان کتابوں کا تصور بھی نہ تھا جن حضرات نے اس گتھی کو سلجھائے بغیر اس بحث میں حصہ لیا اس کا بروقت جواب اہل علم کی طرف سے دیا جاتا رہا

اس سے بڑھ کر ستم ظریفی یہ ہے کہ بعض حضرات اپنے فکری جمود کی بنا پر اسی فکر کے حاملین و واضعین کو ہی "فقہاء" کی فہرست میں شامل کرتے ہیں اور دیگر فقہاء و محدثین ان کی نظروں میں "غیر فقیہ" اور "تفقہ سے عاری" قرار پاتے ہیں۔ حالانکہ یہ حضرات آسمان علم کے ایسے درخشاں چاند

اور تارے ہیں کہ اپنے کیا بیگانے بھی ان کا نام سنتے ہوئے ادب و تعظیم کا مظاہرہ کرتے ہیں اور ان کے علم و فضل کا اعتراف کرتے ہیں۔

حال ہی میں مسلک دیوبند کے ترجمان ماہنامہ بینات میں مولانا محمد یوسف صاحب طلال کا ایک مضمون "حدیث میں تفقہ کا مقام" کے عنوان سے شائع ہوا جس کا اصل محور یہ ہے کہ "محدثین کرام کو فقہ نہیں آتی وہ حدیث کے معانی و مطالب سے بے خبر تھے۔ ایک مجتہد اور فقیہ حدیث و فقہ اور اس کے معانی سے باخبر ہوتا ہے۔ برعکس محدث کے۔ اور ان اوصاف کے کامل ترین حامل حضرت امام ابوحنیفہ رح اور ان کے تلامذہ کرام ہیں" یہ ہے خلاصہ اس سارے مضمون کا جسے مختلف انداز میں صحیح باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رح اگر فی الواقعہ اس وصف سے متصف تھے تو اس کا یہ مقصد نہیں کہ دیگر فقہاء و محدثین کی مساعی کو لاحاصل قرار دیا جائے۔ ایک کی عزت اور اس کے مقابلہ میں دوسرے کی توہین دراصل فکری جمود ہی کی کرشمہ سازی ہے۔ بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ رافضیہ اور ناصبیہ نے اپنے مخصوص رجحانات کی بنا پر جو انداز فکر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق اختیار کیا بعد میں وہی انداز حضرات مقلدین نے ائمہ مجتہدین کے بارے میں اپنایا۔ کذلک قال الذین من قبلھم مثل قولھم تشابھت قلوبھم۔ ہماری اس بات کی صداقت ہمارے مہربان حضرت طلال صاحب کے مضمون میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اور یہی دراصل ان سطور کے لکھنے کا باعث ہے۔ اگر ہم مکمل مضمون کا جائزہ پیش کریں تو بات طویل ہو جائے گی صرف چند امور کی وضاحت پر ہی اکتفا کریں گے۔

چنانچہ مولانا طلال صاحب لکھتے ہیں:۔

"مثال کے طور پر دو متقارب الالفاظ حدیثوں پر نظر ڈالیے (۱) لاصلوٰۃ الا بطھور نہیں نماز ہوتی مگر طہارت کے ساتھ (۲) لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب۔ نماز نہیں ہوتی مگر فاتحہ کے ساتھ۔ عربی زبان کے قواعد نحو کی رو سے ان دونوں حدیثوں کے درمیان کوئی فرق نہیں اب دیکھئے کہ غیر فقیہ کے لیے دونوں حدیثوں کے ظاہری الفاظ اور ترتیب سے یہ بات بالکل قرین قیاس نظر آتی ہے کہ جو حکم پہلی حدیث کا ہونا چاہیے وہی دوسری کا بھی۔ یعنی اگر طہارت کے بغیر نماز ہو ہی نہیں سکتی تو ظاہر ہے کہ طہارت کا حکم فرض اور اسی طرح دوسری حدیث ہے سورۃ فاتحہ کا فرض ہونا بھی ظاہر ہے مگر فقہاء

کے یہاں مختلف وجوہات کی بنا پر ان دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔"

(بینات ص۳۷-۳۸ اگست ۱۹۷۹ء)

ہم یہاں اوّلاً گزارش کریں گے کہ حدیث "لا صلوٰة الا بطھور" حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ اور اس کی سند کیا؟ تتبع بسیار کے باوجود ان الفاظ سے ہمیں یہ حدیث نہیں ملی۔ علامہ کاسانی حنفی نے یہ روایت بدائع ص۱۱۹ ج ۱) میں بلا سند نقل کی ہے مگر بدائع کے محقق لکھتے ہیں۔ "لم أعثر علیه بھذا اللفظ" یعنی ان الفاظ سے اس روایت کی مجھے اطلاع نہیں ہوتی۔ یہ روایت دراصل "لا تقبل صلاة بغیر طھور و فی روایة الا بطھورۃ" کے الفاظ سے کتب سنن میں منقول ہے اب ان الفاظ کی بجائے اسے "لا صلاة الا بطھور" کے الفاظ سے بیان کرنا کسی "فقیہ" ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ مولانا طلال صاحب فرماتے ہیں کہ غیر فقیہ کے نزدیک ان دونوں حدیثوں کا ایک ہی حکم ہے جس طرح پہلی سے طہارت کا حکم فرض ہے وہ اس طرح دوسری حدیث سے سورۃ فاتحہ کا فرض ہونا سمجھے گا۔" فقہائے یہاں مختلف وجوہات کی بنا پر ان دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔" غور طلب یہ بات ہے کہ جن حضرات نے اس دوسری حدیث سے فاتحہ کی فرضیت پر استدلال کیا ہے وہ کون ہیں؟ اور کیا وہ غیر فقیہ ہیں؟

ہم عرض کرتے ہیں کہ وہ حضرت عمر فاروق رضؓ، حضرت جابر رضؓ بن عبداللہ، حضرت عمران رضؓ بن حصین جیسے اکابر صحابہ کرامؓ اور امام عبداللہ رحؒ بن مبارک تلمیذ رشید امام ابوحنیفہ رحؒ، امام شافعیؒ امام احمد رحؒ اور امام اسحاق رحؒ بن راہویہ جیسے فقہائے امت اور مسلمہ مجتہدین ہیں۔ چنانچہ امام ترمذیؒ اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

"والعمل علیه عند اکثر اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم منھم عمر بن الخطاب وجابر بن عبد اللہ وعمران بن حصین وغیرھم قالوا لا تجزی صلاة الا بقرأة فاتحة الکتاب وبه یقول ابن المبارك والشافعی واحمد واسحاق۔

یعنی اس حدیث پر اکثر اصحاب علم و فضل صحابہ کرام کا عمل ہے ان میں حضرت عمر رضؓ، حضرت جابر رضؓ۔ عمران رضؓ بن حصین وغیرہ ہیں وہ فرماتے ہیں سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز جائز نہیں اور یہی قول ابن مبارکؒ شافعیؒ، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا ہے۔"

علامہ الجزائری لکھتے ہیں۔

"قد اتفق ثلاثة من الائمة على ان قراءة الفاتحة فى جميع ركعات الصلاة فرض" الفقہ علی مذاہب الاربعہ (ص ۲۲۹ ج ۲)

یعنی ائمہ ثلاثہ، امام مالک رح، امام شافعی رح اور امام احمد رح اس بات پر متفق ہیں کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ فرض ہے۔

علامہ ابن حجر رح نے فتح الباری اور علامہ عینیؒ نے عمدۃ القاری میں اور دیگر شارحین نے بھی اس بات کی وضاحت کی ہے اور لکھا ہے کہ جمہور صحابہؓ و تابعینؒ کا یہی مذہب ہے کہ فاتحہ نماز میں فرض ہے، بلکہ علامہ اسفرائنی فرماتے ہیں کہ نماز میں الحمد کی فرضیت پر صحابہ کرام کا اتفاق ہے (تفسیر کبیر) اس کے برعکس امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ فاتحہ فرض نہیں قرآن مجید کی کوئی سی بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات پڑھ لی جائیں تو نماز ہو جائے گی۔ آج بھی علمائے احناف کا اسی پر فتویٰ ہے۔

اس مختصر تفصیل کے بعد ذرا از راہ انصاف فیصلہ فرمائیں کہ کیا امام شافعی رح امام مالک رح اور امام احمد رح "غیر فقیہ" ہیں؟ حضرت عمر فاروق رضؓ، حضرت جابر رضؓ، بلکہ تمام صحابہ کرام رضؓ غیر فقیہ تھے؟ اس کے برعکس اگر فقیہ ہیں تو حضرت امام ابوحنیفہ رح اور چند ایک ان کے ہمنوا۔ آخر مولانا ظلال صاحب کی اس طرز تحریر کو کس کا نام دیں؟۔ ہماری اس وضاحت سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ حضرات مخصوص فکر کے حاملین ہی کو "فقیہ" باور کرانے کے درپے ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر آئے ہیں۔

اس کے بعد مولانا موصوف لکھتے ہیں:" اسی طرح غیر فقیہ کے نزدیک جب بظاہر دونوں کا ایک ہی حکم ہے تو یہ بھی قرین قیاس ہے کہ دونوں کی شرطیں بھی ایک ہی ہونی چاہئیں لہذا اس ظاہری مغالطے میں اگر کسی غیر فقیہ سے یہ فتویٰ بھی سنا جا سکتا ہے کہ جس طرح نماز سے پہلے وضو کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح نماز سے پہلے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا بھی ضروری ہے"۔

(بینات ص ۳۸)

ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ یہ مدعیان فقاہت جن حضرات کو "غیر فقیہ" کہتے ہیں آج تک ان میں سے کسی ایک نے بھی یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا۔ مگر ان "فقہاء کرام" کی فقاہت کا اندازہ بھی لگا لیجئے کہ فرماتے

ہیں کہ: لاصلاۃ الا بفاتحۃ الکتاب میں لا نفی کمال کا ہے۔ یہ بزرگ کون ہیں، علامہ عینیؒ، علامہ علی قاری رح اور مولانا شیخ الہند محمود الحسنؒ وغیرہ۔ یعنی یہ حضرات فرماتے ہیں کہ نماز کامل نہیں ہوتی کچھ کمی رہ جاتی ہے کیا ان فقہاء کرام کا مولانا طلال صاحب کی حدیث "لاصلاۃ الا بطھور" کے متعلق بھی یہ فیصلہ سمجھا جائے کہ طہارت کے بغیر نماز کامل نہیں۔ طہارت نہ کرے تو نماز تو ہو جائے گی مگر اس میں کچھ کمی رہے گی؟ اس لیے کہ یہاں بھی "لا نفی کمال" کا بھی "احتمال" ہو سکتا ہے۔ دیدہ باید۔

مولانا موصوف لکھتے ہیں:۔

"امام ترمذی" کی جامع میں یہ تصریح موجود ہے کہ کذلک قال الفقہاء وھم اعلم بمعانی الحدیث۔" (بینات ص ۳۲)

مگر کبھی سوچا کہ ان "فقہاء" سے امام ترمذیؒ کی کیا مراد ہے؟ حالانکہ خود امام ترمذی رح "العلل الصغیر" سے امام ترمذی رح میں وضاحت کی ہے کہ جن فقہاء کا تذکرہ میں نے اپنی جامع میں کیا ہے اس سے مراد امام سفیان ثوری، امام مالک، امام ابن مبارک، امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ ہیں۔ مگر جن بزرگوں کو حضرت طلال صاحب فقاہت کی سند دینا چاہتے ہیں ان کا نام تو آپ کو خوردبین سے بھی جامع ترمذی میں نظر نہیں آئے گا اور اگر ایک آدھ مقام پہ لیا ہے تو اس کا "فقاہت" سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

اس قاعدہ (کہ فقہاء ہی حدیث کے معانی کو جانتے ہیں)۔ کی علمی تطبیق ایک واضح مثال اسی مناظرہ میں ملتی ہے جس میں امام ابوحنیفہ رح نے امام اوزاعیؒ کو مسئلہ رفع یدین کی بابت لا جواب کر دیا تھا۔" ص۳۲ اس کے بعد انہوں نے اس مناظرہ کو مفصل ذکر کیا ہے جسے امام سرخسیؒ نے کتاب المبسوط ابن الہمام رح نے فتح القدیر اور امام بخاری رح نے جامع المسانید اور الموفق المکی نے المعاقب ابی حنیفہ میں ذکر کیا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی مرحوم نے سیرۃ النعمان میں بھی اس کا ذکر بڑے فخر سے کیا ہے۔ اہل علم کے ہاں چونکہ یہ مناظرہ مشہور ہے اس لیے ہم اسے ذکر نہیں کر رہے نیز مضمون کی تنگ دامنی بھی اس کی اجازت نہیں دیتی۔

اس مناظرہ کی حقیقت بیان کرنے سے پہلے ہم ناظرین کرام کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ اس عبارت میں امام ابوحنیفہ رح کا نام گرامی تین مرتبہ آیا اور تینوں مرتبہ

مولانا طلال صاحب نے اُن کے نام پر "رح" یعنی رحمہ اللہ کی علامت دی بلکہ ایک جگہ و فورِ عقیدت میں امام اعظم بھی لکھا۔

مگر امام اوزاعیؒ جو شام کے عظیم فقیہ اور محدّث ہیں۔ امام ابن مہدیؒ فرماتے ہیں کہ اپنے زمانہ میں لوگوں کے امام کوفہ میں سفیان ثوریؒ، حجاز میں مالکؒ، شام میں اوزاعی رح اور بصرہ میں حمادؒ بن زید تھے۔ تقدمۃ الجرح والتعدیل ص۱۸۵)

علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ اہلِ شام اور اہلِ اندلس ایک مدت دراز تک امام اوزاعی رح کے پیروکار رہے ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ ص۱۸۲ کے نام کے ساتھ ایک مرتبہ بھی رحمہ اللہ لکھنے کی توفیق نصیب نہیں ہوئی۔ اس سے بڑھ کر مولانا طلال صاحب کی عصبیت کا اور کیا ثبوت ہوگا۔ جہاں تک مناظرہ کی اس روئیداد کا تعلق ہے۔ تو یقین جانیے یہ سارا قصہ لغو اور از اول تا آخر بے بنیاد ہے

علامہ شبلی مرحوم نے یہی واقعہ سیرۃ النعمان میں بھی ذکر کیا ہے جس کا جواب مولانا عبدالعزیز مرحوم رحیم آبادی نے حسن البیان میں مفصل دیا ہے ہم یقین سے کہتے ہیں کہ حضرت طلال صاحب اگر حسن البیان کو ملاحظہ فرما لیتے تو اس بے سروپا قصہ کو نقل کرنے سے اجتناب کرتے۔ مولانا رحیم آبادیؒ نے ناقابلِ تردید دلائل سے ثابت کیا ہے کہ روایتی اعتبار سے اس مناظرہ کا انتساب امام ابوحنیفہ رح کی شان کے منافی ہے۔ رہی اس کی روایتی حیثیت تو اسے بیان کرنے والے اولاً سلیمان شاذکونی ہیں۔ جس کے متعلق ہم اپنی رائے لکھنے کی بجائے مناسب سمجھتے ہیں کہ عہدِ حاضر کے نامور دیوبندی مکتبِ فکر کے وکیل مولانا سرفراز صاحب صفدر کے الفاظ قارئین کے سامنے پیش کر دیئے جائیں۔

موصوف لکھتے ہیں :-

"امام بخاری رح فرماتے ہیں کہ فیہ نظر ابن معینؒ نے اس کو حدیث میں جھوٹا کہا ہے ابوحاتم رح اس کو متروک الحدیث اور نسائی رح لیس بثقہ کہتے ہیں۔ اور صالح جزرہؒ فرماتے ہیں کان یکذب فی الحدیث کہ حدیث میں جھوٹ کہتا ہے اور امام احمد رح فرماتے ہیں کہ وہ شراب پیتا تھا اور بیہودہ حرکتوں میں آلودہ تھا نیز فرمایا کہ عرب دلیک دجگہ کا نام ہے) میں شاذکونی سے بڑا جھوٹا اور کوئی داخل نہیں ہوا۔ بغوی رح فرماتے ہیں کہ وہ جعلی روایتیں بنایا کرتا تھا۔ امام ابواحمدؒ الحاکم اس کو متروک الحدیث اور امام ابن مہدی رح اس کو خائب اور نامراد کہتے ہیں۔ امام

عبدالرزاق رحمہ نے اس کو عدو اللہ کذاب اور خبیث کہا ہے ۔ صالح جزرہ کہتے ہیں کہ آناً فاناً سندیں گھڑ لیتا تھا اور صالح بن محمد نے بھی فرمایا ہے کہ وہ کذاب تھا " احسن الکلام ص۲ حصہ اول ۔

قارئین کرام اندازہ فرمائیں کہ اس قماش کے آدمی سے یہ مناظرہ منقول ہے ۔ ہم حیران ہیں کہ مسلک کی کورانہ حمیت میں یہ حضرات کس قدر سرگرداں ہیں کہ ایسے کذاب اور وضاع شخص کے بیان کردہ واقعہ کو آنکھیں بند کر کے نہ صرف یہ کہ بار بار بیان کیے جا رہے ہیں بلکہ اس پر اپنے اصول کی بنیاد رکھتے ہیں ۔ شاذکونی کے علاوہ اس سے بیان کرنے والا محمد بن ابراہیم الرازی اور پھر عبداللہ بن یعقوب الحارثی ان کے تراجم میزان الاعتدال، لسان المیزان، المغنی اور العبر وغیرہ میں دیکھے جا سکتے ہیں محدثین نے انھیں بھی کذاب وضاع اور متروک کہا ہے اور کوئی ایک قابل اعتبار قول بھی ان کی توثیق میں منقول نہیں ۔ "کوثری المشرب" حضرات نے جس انداز سے استاد حارثی کی پردہ پوشی کی ہے ہم اس سے الحمد للہ بخوبی واقف ہیں ۔ مگر یہ مختصر مفہوم اس تفصیل کا متحمل نہیں ۔

روایت حدیث میں فقہ راوی کی شرط کہاں تک صحیح ہے یہ عنوان بھی مستقل موضوع کا متقاضی ہے ۔ یہ بات جانے دیجئے کہ اس شرط سے کتنے صحابہ کرام رض کی عظمت پر حرف گیری کی گئی ۔ ضرورت محسوس ہوئی تو ان شاء اللہ وقت پر تفصیلاً عرض کریں گے ۔ البتہ ہم یہاں اس اصول کے پابین سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ جی حضرت بحث آمین بالجہر میں امام سفیان ثوری اور امام شعبہ رح کی روایت میں جو اختلاف ہے وہاں بھی کیا یہ اصول کارفرما ہے یا نہیں؟ جبکہ امام شعبہ حضرت وائل کی حدیث میں خفض بہا صوتہ کے الفاظ نقل کرتے ہیں مگر امام ثوری رح " رفع بہا صوتہ " کے الفاظ ذکر کرتے ہیں ۔ اور یہ بات تو تسلیم شدہ ہے کہ امام سفیان ثوری رح امام شعبہ رح سے افقہ ہیں ۔ مگر ترجیح پھر بھی امام شعبہ رح کی روایت کو؟ امام طحاوی رح معلوم ہے کہ اس بحث میں کیوں خاموش ہیں؟ ان کی مسلکی حمیت کا شکوہ امام بیہقی رح اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رح نے کیا ہے ۔ وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نقلی وعقلی دلائل لاتے ہیں اور اپنے مسلک کو مدلل کرتے ہیں مگر اس بحث میں ان کی خاموشی بے معنی نہیں ۔ تعجب ہے ان حضرات کو امام اوزاعی رح امام ابو حنیفہ رح کا یہ مناظرہ تو نظر آتا ہے مگر سلیمان شاذکونی ہی کے واسطہ سے

رفع الیدین کے معاملہ میں جو مناظرہ امام اوزاعی رحہ اور امام سفیان ثوری رحہ کے مابین ہوا وہ کیوں نظر انداز کر جاتے ہیں جس میں امام اوزاعی رحہ نے فرمایا تھا کہ آئیے مقام ابراہیم پر چل کر مباہلہ کریں کہ کون حق پر ہے ملاحظہ ہو السنن الکبریٰ بیہقی (ص۸۲ ج ۲) اسی طرح اسی سلسلہ میں جو مناظرہ امام ابو حنیفہ رحہ اور ان کے شاگرد رشید امام ابن مبارک کے مابین ہوا۔ جس میں امام صاحب نے فرمایا کہ مجھے خطرہ ہوا کہ تم کہیں اڑ ہی نہ جاؤ تو امام ابن مبارک نے فرمایا جناب جب آپ پہلی بار رفع یدین کی گیا آپ کا ارادہ اڑنے کا تھا۔ جب میں پہلی بار رفع یدین سے نہیں اڑا تو اب بھی نہیں اڑوں گا۔ (جزء رفع الیدین السنن بیہقی ص۸۲ ج۲) نصب الرایہ ص۱۷ ج ۱) مگر اس کا ذکر بھولے سے بھی کرنے کے لیے تیار نہیں۔

مولانا طلال صاحب اپنے پیش رو حضرات کی طرح امام اعمش کا یہ قول محدثین رحمہم اللہ پر بطور طعن استعمال کرتے ہیں۔ کہ "وہ دوا فروش اور فقہاء طبیب" ہیں مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ امام اعمش خود بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے مغیرہ کا بیان ہے کہ لما مات ابراهیم اختلفنا الی الاعمش فی الفرائض۔ کہ جب ابراہیم رحہ انتقال کر گئے تو ہم علم فرائض یعنی وراثت کے لیے اعمش رحہ کے پاس جایا کرتے تھے۔ ابن عیینہ رحہ بیان ہے کہ وہ وراثت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ تہذیب (ص۲۲۳ ج ۴) و تذکرۃ الحفاظ۔ حافظ ابن حزم رحہ نے فقہاء امت پر "اصحاب الفتیا من الصحابۃ و من بعدھم" کے نام پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں انھوں نے فقہاء کوفہ کی فہرست میں امام اعمش رحہ کو بھی شمار کیا ہے۔ (جوامع السیر ص۳۳) دراصل امام اعمش رحہ نے جو کچھ فرمایا وہ ان کی عاجزی و انکساری پر دال ہے مگر یار لوگوں نے اسے محدثین کے لیے طعنہ ہی بنا دیا لیکن کیا اس پر بھی کبھی غور فرمایا کہ اگر طبیب کے پاس دوا نہ ہو تو وہ کس کام کا؟ اسی طرح مولانا طلال صاحب نے فتح الملہم سے نقل کیا ہے کہ ایک محدث امام احمد رحہ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو ملامت کرنے لگا کہ تم نے امام ابن عیینہ رحہ کی مجلس کو چھوڑ کر امام شافعی رحہ کی مجلس کو کیوں اختیار کیا تو انھوں نے فرمایا میاں خاموش رہو اگر تم سے کوئی عالی اسناد والی حدیث رہ بھی گئی تو تم اسناد نازل کے ساتھ اس حدیث کو دوسری جگہ پا لو گے لیکن اگر اس شخص (امام شافعی رحہ) کا فہم و تفقہ نہ پایا تو مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہیں کہیں نہیں ملے گا" (بینات ص۴۴) حالانکہ امام ابن عیینہ رحہ بہت بڑے فقیہ تھے خود امام شافعی رحہ کا بیان ہے کہ ما رایت افقه من ابن عیینة" کہ ابن عیینہ سے بڑا میں نے کوئی فقیہ نہیں دیکھا۔ بلکہ امام ابن عیینہ رحہ تلامذہ کو فقہ الحدیث کی تاکید کرتے تھے ان کے الفاظ ہیں کہ "یا اصحاب الحدیث تعلموا فقه الحدیث لا یقھر کم اصحاب الرای" اے حدیث کے طالب علموں حدیث کی فقہ حاصل کرو اہل الرائے تم

پر غالب نہیں آئیں گے۔ معرفتہ علوم الحدیث ص ۶۵-۶۶) امام حاکم رح نے معرفتہ کی النوع العشرون میں اور حافظ ابن حزم نے "اصحاب الفتیاء" میں انہیں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کا شمار مکہ کے فقہاء میں ہوتا تھا۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چھ کے بغیر باقی تمام احادیث احکام میں نے ان سے حاصل کی ہیں۔ تذکرہ ص ۲۶۳ ج ا کیا مولانا طلال صاحب اور ان کے ہمنوا بتلا سکتے ہیں کہ فقیہ ہونے کے لیے کتنی فقہ درکار ہے اور اس کا پیمانہ کیا ہے؟

اس نوعیت کا ایک واقعہ "المناقب للموفق" سے نقل کیا گیا ہے "راوی کہتا ہے کہ میں نے ایک شخص سے سنا تھا جو یزیدؒ بن ہارون کی مجلس میں حاضر تھا اس وقت ان کی مجلس میں محدث یحییٰ بن معینؒ محدث احمدؒ بن حنبل محدث زہیرؒ بن حرب اور دوسرے حضرات تشریف رکھتے تھے ایک شخص نے آکر ان سے کسی مسئلہ پر استفسار کیا محدث یزیدؒ نے فرمایا کہ جاؤ اہل علم سے دریافت کرو اس پر محدث علیؒ بن مدینی نے کہا کیا اس وقت آپکے پاس اہل علم محدثین موجود نہیں) یزیدؒ نے جواب میں کہا کہ اہل علم تو ابو حنیفہ رح کے اصحاب ہیں تو تو صرف دوافروش ہو" بینات ص ۳۲، ۳۴)

نفس واقعہ کی حقیقت بیان کرنے سے پہلے یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ یہاں بھی ہمارے مہربان نے ناروا ترجیحی سلوک اختیار کیا۔ جس کی نشاندہی ہم پہلے بھی کر آئے ہیں۔ یہاں بھی پانچ جلیل القدر محدثین رحمہم اللہ کے اسماء گرامی پر رحمہ اللہ کی علامت نہیں لکھی گئی شائد قلم کی سیاہی ختم ہو گئی ہو۔ البتہ امام ابو حنیفہ رح کا نام آیا تو وہاں اس کا پورا پاس کیا۔ اسے مسامحت کہیں یا مسلکی تعصب؟ جہاں تک اس واقعہ کا تعلق ہے تو یہ اصول روایت کے اعتبار سے قطعاً بے بنیاد ہے جبکہ اس کا بیان کرنے والا مجہول ہے۔ سلسلہ سند یوں ہے۔ او بنہ قال اخبرنا ابراهیم بن علی الترمذی انبا نا محمد بن سعدان سمعت من حضر یزید بن هارون۔ "ظاہر ہے کہ "من حضر" مجہول ہے کہ وہ کون تھا اور کیسا تھا؟ کچھ علم نہیں اس کے بعد محمد بن سعدان بھی مجہول ہے جیسا کہ میزان الاعتدال اور لسان المیزان (ص ۱۷۵ ج ۵) میں ہے اور قریباً یہی حال ابراہیم بن علی الترمذی کا ہے۔ رہی اس سے مافوق سند تو اسے موفق نے بواسطہ ابو محمدؒ الحارثی نے ذکر کیا ہے جس کا ذکر انشاءؒ ہم پہلے کر آئے ہیں۔ جس سے اس واقعہ کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ جہاں یہ قول روایت نا قابل قبول ہے روایۃً بھی اس واقعہ کا باطل ہونا ہی ظاہر ہوتا ہے

(۱) اس میں امام احمد امام ابن مدینی امام یحییٰ امام زہیر اور امام یزید بن ہارون رحمہم اللہ کے

متعلق کہا گیا ہے کہ وہ "اہل علم" نہیں۔ اوّلاً دیکھئے کہ علم سے سلف کی کیا مراد ہے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے جامع بیان العلم ص۲۲ سے ص۳۷ ج ۲ میں اس پر تفصیلاً بحث کی ہے اور احادیث و آثار سے ثابت کیا ہے کہ علم سے مراد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور اقوال صحابہؓ کا علم مراد ہے۔ علامہ فلانی نے ایقاظ ھمم اولی الابصار (ص۳۷) میں بھی اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ جو قابل مراجعت ہے۔ اب آپ ہی فیصلہ فرمائیں کہ کیا یہ پانچوں بزرگ علم قرآن و سنت اور آثار صحابہ سے ناواقف تھے کہ وہ "اہل علم" کے زمرہ میں شمار نہیں ہوتے۔

۲۔ خطیب بغدادیؒ نے الفقیہ والمتفقہ میں اپنے دور کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس دور میں حدیث لکھنے والے فقہ الحدیث سے عاری، حدیث کی صحت و سقم سے غافل اور رواۃ کے حالات سے بے خبر ہیں اس لیے اہل حدیث مثلاً متکلمین اور اہل الرائے ان پر اعتراض کرتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔ ائمہ حدیث وہ ہیں جنہوں نے شریعت کو محفوظ کیا وہی میراث اسلام ہیں اور انہی پر فخر ہے۔ مثلاً امام مالکؒ۔ اوزاعی رح، شعبہ، ثوری۔ یحییٰ بن سعید القطان۔ عبدالرحمٰن بن مہدی۔ علی بن المدینی الامین و احمد بن حنبل و ابن معین وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔ الفقیہ والمتفقہ (ص۱۴۱-۱۴۲-۱۴۳ ج ۲) اندازہ فرمائیے۔ خطیب مرحوم ان اصحاب کا ذکر کس فخر سے کرتے ہیں جنہیں مذکورہ واقعہ میں نعوذ باللہ "لاعلم" ظاہر کیا گیا ہے۔

۳۔ ہمارے مہربان امام ابن معینؒ، علی بن مدینی، زہیرؒ بن حرب کو "غیر فقیہہ" اور "لاعلم" قرار دینے پر مصر ہیں تو کیا امام احمد بن حنبل رح جن کا شمار فقہاء اربعہ میں ہوتا ہے وہ بھی "لاعلم" اور "غیر فقیہہ" ہیں۔

۴۔ صرف امام ابوحنیفہ رح اور ان کے تلامذہ کرام جنہیں اس واقعہ میں "اہل علم" باور کرایا گیا ہے۔ ان کے متعلق محدثین کی کیا رائے ہے؟ امام احمد رح امام ابن معینؒ ہی کے اقوال دیکھنے ہوں تو امام احمد رح کی العلل امام عقیلی رح کی الضعفاء اور خطیبؒ کی تاریخ بغداد کی تاریخ بغداد میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح امام ابن معین کا قول کامل ابن عدی، دیوان الضعفاء ( ) اور خود ان کی کتاب التاریخ میں دیکھا جا سکتا ہے ان اقوال کی تفصیل کا نہ موقعہ ہے اور نہ یہ موضوع ہے۔ امام یزیدؒ بن ہارون جن کا یہ قول ہے وہی امام ابو یوسفؒ جن پر کہ "فقہ حنفی کی چکی کا مدار ہے" کے متعلق کیا فرماتے ہیں صرف ایک نظر اس پر ڈال لیجئے فرماتے ہیں۔

لا تحل الروایۃ عنہ کان یعطی اموال الیتامی مضاربۃ و یجعل الربح لنفسہ

لسان المیزان ص۳۰۸ ج ۶ یعنی ان سے روایت لینا حلال نہیں۔ یتیموں کا مال لوگوں کو مضاربت کے لیے دیتے اوران سے جو نفع ہوتا وہ خود رکھتے۔

ناظرین کرام ازراہ انصاف فرمائیں کہ جو قول روایۃً و درایۃً اس درجہ کا ہو اسے محض اس لیے نقل کرنا کہ "فقاہت" کا تاج حضرت امام ابوحنیفہ رح اوران کے تلامذہ پر ہی رہے یہ طرز تحریر اور طریق استدلال کہاں تک صحیح ہے۔ ایسے واقعہ سے کوئی "فقیہ" تو استدلال کر سکتا ہے مگر کسی محدث سے اس کی توقع بعید ہے۔ یہ حضرات اس قسم کے واقعات ذکر کرتے ہوئے دراصل فوق ذی علم علیم کا ارشاد ربانی بھول جاتے ہیں۔ اگر ایک وقت کوئی سوال کا جواب نہیں دے سکا تو اس کا یہ مفہوم لینا کہ وہ "غیر فقیہ" ہے انتہائی تنگ ظرفی کی دلیل ہے۔

ہمیں اس بات کا اعتراف ہے کہ ہر راوی حدیث یا حدیثیں جمع کرنے والا فقیہ نہیں ہوتا۔ ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ اہل علم کی ایک جماعت کا خیال رہا ہے کہ بغیر تفہیم روایات بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے جیسا کہ مولانا طلال صاحب نے نقل کیا ہے۔ لیکن کیا "فقیہ" کو کھلی چھٹی دی دے جائے کہ وہ جس طرح چاہے جسے چاہے اور جو چاہے اسے حدیث بنا کر حدیث سمجھ کر اس سے استنباط کرے۔ اس سلسلہ میں "فقیہوں" نے جس تساہل و سرد مہری کا مظاہرہ کیا اس کی داستان طویل ہے۔ حیرت ہے کہ بعض "فقیہوں" کے متعلق علامہ عراقی رح نے لکھا ہے کہ:۔

"حکی القرطبی فی المفہم عن بعض اہل الرأی ما وافق القیاس الجلی جاز ان یعزی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم" شرح الفیہ عراقی ج۱ ص۱۲۳

حافظ عراقی رح کے علاوہ حافظ ابن حجر رح نے النکت میں حافظ سخاوی رح نے فتح المغیث میں حافظ سیوطی رح نے تدریب الراوی میں امیر یمانی رح نے توضیح الافکار اور علامہ الجزائری نے توجیہ النظر میں بھی یہ عبارت نقل کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض اہل الرأی نے کہا ہے کہ جو قول قیاس جلی کے موافق ہو اسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا جائز ہے نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

بعض "فقیہوں" کی اسی ادا پر محدثین معترض تھے مگر وہ الٹا محدثین کو "بے علم" ہونے کا طعنہ دیتے جیسا کہ خطیب نے الفقیہ والمتفقہ ص ۷۷ ج ۲ میں صراحت کی ہے خطیب فرماتے ہیں کہ جب اصحاب الحدیث نے جب بھی تفقہ سے کام لیا تو اہل الرأی کی زبانیں گنگ ہو گئیں اور وہ بول بھی نہ سکے۔ چنانچہ امام وکیع رح

سے نقل فرماتے ہیں کہ:۔

لقینی ابو حنیفة فقال لی لو ترکت کتابة الحدیث و تفقهت ألیس کان خیرا لم قلت: افلیس الحدیث یجمع الفقه کله؟ قال ما تقول فی امرأة ادعت الحمل وانکر الزوج نقلت له حدثنی عباد بن منصور عن عکرمة عن ابن عباس ان النبی صلی الله علیه وسلم لاعن بالحمل۔ فترکنی فکان بعد ذلك اذا رأنی فی طریق اخذ فی طریق آخر" (الفقیه والمتفقه ص۸۳ ج ۲)

یعنی امام وکیعؒ فرماتے ہیں کہ مجھے امام ابو حنیفہؒ ملے اور مجھے کہا اگر تم حدیث لکھنے کی بجائے فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تو کیا یہ تمہارے لیے بہتر نہ ہوتا؟ میں نے جواباً کہا کیا حدیث تمام فقہ کا مجموعہ نہیں؟ تو انھوں نے کہا کہ جب ایک عورت حمل کا دعویٰ کرتے مگر اس کا خاوند اس سے انکار کرے تو پھر کیا کیا جائے؟ میں نے کہا مجھے عبادؒ نے بواسطہ عکرمہؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے حمل میں لعان کرایا تھا۔ یہ سن کر انھوں نے مجھے چھوڑ دیا اس کے بعد جب کبھی انھوں نے مجھے کسی راستہ میں دیکھا تو انھوں نے وہ راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیا۔ نیز وہ فرمایا کرتے تھے:۔

"اے نوجوانو! فقہ الحدیث حاصل کرو اگر تو فقہ الحدیث حاصل کرو گے تو انھوں نے اہل الرائی تم پر غالب نہیں رہیں گے" ایضاً ص۸۳ ج ۲

بعض حضرات نے بلاشبہ حفظ وضبط پر ہی اکتفا کی لیکن ان کی یہ سعی بھی مشکور رہے فرمان نبویؐ ہے:۔

نضر الله عبدا سمع مقالتی فحفظها ووعاها وادّاها" ترمذی وغیرہ

اللہ اسی شخص کو ترو تازہ یعنی خوش وخرم رکھے جس نے میری حدیث کو سنا حفظ کیا اور پھر یاد رکھا اور اس کو اسی طرح آگے پہنچایا۔

حدیث میں تفقہ کی فضیلت کو وہ نہیں پا سکے۔ مگر پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء سے انھیں وافر حصہ ملا۔ مگر غور فرمایئے کہ کیا فقہ التقلید کے متعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی جملہ دعائیہ فرمایا؟ ہمارے یہ مہربان فقہ الاجتہاد کا دروازہ تو چوتھی صدی سے

بند کر چکے ہیں یہی وجہ ہے کہ بقول شاہ ولی اللہ دہلوی ان میں مجتہد فی المذہب تو ہوئے مجتہد مطلق نہیں ہوا۔ (الانصاف)

بلکہ فی زمانہ تو جو فقیہہ سمجھے جاتے ہیں وہ کنز، قدوری، ہدایہ، شامی اور بدائع وغیرہ میں جو جزئیات پائی جاتی ہے ان سے آگے نہیں بڑھتے اور نہ ان کی صحت وسقم سے بحث کا انھیں حق ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ تعجب ہے کہ یہ حضرات حافظ ابن حزم رحہ کو ظاہریت کا طعنہ دیتے ہیں حالانکہ ان کے مأخذ کی بنیاد ظاہر قرآن وسنت پر ہے۔ مگر خود یہ حضرات آراء الرجال اور متقدمین کے فہم پر قانع ہو گئے ہیں۔ اور ان میں بعض ایسی آراء ہیں جن کا قرآن وسنت سے کوئی علاقہ نہیں ان کی بنیاد صرف قیاس اور رائے پر ہے مگر یہ "فقہاء" سر مو بھی ان سے اختلاف کی سکت نہیں رکھتے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون اس نوعیت کی فقہ اور تفقہ کی تعریف میں ایک جملہ بھی منقول نہیں۔ بلکہ جس تفقہ کی تعریف وہ فقہ الاجتہاد اور فقہ الحدیث ہے۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ آمین

عثمانی سرمہ

ہماری آنکھیں یقیناً قدرت کا ایک عظیم عطیہ ہیں اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر انکے صحیح استعمال اور ان کی صحت وحسن کو برقرار رکھ کر ہی ادا کر سکتے ہیں۔ عثمانی سرمہ آنکھوں کی جملہ امراض مثلاً جلن۔ سرخی نظر کی کمزوری۔ نزول الماء۔ ککرے۔ وغیرہ کے لیے طبی اصولوں کے عین مطابق تیار کیا گیا ہے۔ اس کا استعمال بے حد مفید ومجرب ہے

قیمت فی شیشی ۲/۰۰ روپے صرف علاوہ محصولڈاک

تھوک نرخ اٹھارہ روپے فی درجن سلائی مفت

ملنے کا پتہ:۔ فاروقی دواخانہ ۳۲ ذیلدار روڈ اچھرہ۔ لاہور